محمد اسحاق بھٹی

فتاویٰ تاتارخانیہ

ہندوستان کے نیک دل اور علم و علما سے تعلق رکھنے والے ملوک و امرا کے زمانے میں جو علمی اور فقہی کتابیں ضبطِ تحریر میں لائی گئیں، ان میں فتاویٰ تاتارخانیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ فتاویٰ تیس جلدوں میں مرتب کیا گیا اور یہ اسلامی ہندوستان کا وہ فقہی ذخیرہ ہے، جس کی ضخامت و حجم اور تفصیلاتِ مسائل کے بارے میں مثال نہیں ملتی۔ افسوس ہے یہ عظیم الشان سرمایۂ فقہ، صرف تاریخ کی زینت بن کر رہ گیا ہے، مکمل صورت میں کہیں موجود نہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے پوری دنیا کے صرف پانچ کتب خانوں میں یہ کتاب موجود ہے اور وہ بھی ناقص اور نامکمل شکل میں ۔۔!

۱۔ اس کا ایک نسخہ حیدر آباد (دکن) کے کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ یہ نسخہ پہلی سے نویں جلد تک مسلسل نو جلدوں پر مشتمل ہے اور یہی نسخہ سب سے زیادہ ضخیم ہے[1]

۲۔ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی اس کے کچھ نسخے موجود ہیں۔ ان میں سے چوتھی جلد نور محمد نوبری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جو ۸۶۲ھ کی مکتوبہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی یہ تصنیف نویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام میں پہنچ چکی تھی[2]

۳۔ کتب خانہ رام پور میں اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی ۸۵۶ صفحات پر مشتمل ہے جو کتاب الطہارۃ سے کتاب الوقف تک کے ابواب کو محیط ہے۔ دوسری جلد ۹۸۲ صفحات کو محتوی ہے۔ اس میں کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں جلدوں کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے[3]۔

---

[1] فہرست کتب خانہ آصفیہ۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵۳، ۱۰۵۴

[2] فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۲۔ ص ۸۷

[3] فہرست کتب عربی مخطوطات۔ کتب خانہ رام پور ص ۲۲۲

۴- کتب خانہ بانکی پور میں اس کی تین جلدیں ہیں - پہلی جلد کا نمبر ۱۵۷۱ ہے جو کتاب الرضاع کے کچھ حصوں پر ختم ہوتی ہے - ایک اور جلد تین حصوں میں منقسم ہے - پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے - اس کے آخری حصے ۹۶۳ھ کے کتابت شدہ ہیں - ان میں کتاب الصرف، کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ اور کتاب الوقف شامل ہیں - پہلی جلد کا ایک اور نسخہ کتاب الحج تک ہے - اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۲ھ کی کتابت شدہ ہے معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ حافظ عبدالحق حیدر آبادی کی ملکیت میں رہ چکا ہے - نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر چسپاں ہے [1]

۵- کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ترکی میں بھی موجود ہے - حاجی خلیفہ نے "تاتار خانیہ فی الفتاویٰ" کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے -

حاجی خلیفہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ امام ابراہیم بن محمد الحلبی (متوفی ۹۵۶ھ) نے ایک جلد میں اس کی تلخیص کی اور اس سے باقاعدہ حوالہ کتب کے ساتھ وہ نادر اور کثیر الوقوع مسائل منتخب کیے جو متداول کتابوں میں نہیں ہیں - الفاظ یہ ہیں :-

ثم ان الامام ابراھیم بن محمد الحلبی المتوفیٰ سنۃ ست وخمسین وتسمائۃ لخصہ فی مجلد وانتخب منہ ما ھو غریب او کثیر الوقوع ولیس فی الکتب المتداولۃ والتزم بتصریح اسامی الکتب وقال متی اطلق الخلاصۃ فالمراد بھا شرح التہذیب واما المشہورۃ فتقید بالفتاوی [2]

برٹش میوزم کے ایک مجموعہ میں منہاج البیان نام کی ایک کتاب کے اقتباسات کے ساتھ الفتاویٰ التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں - اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۹۹ ہے [3]

آغاز

بانکی پور کلکشن کے مطابق فتاویٰ تاتارخانیہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے -

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۵/۱۶

[2] کشف الظنون المجلد الاول کالم ۲۶۸ (مطبع بہیہ ۱۹۴۱ء - ۱۳۶۰ھ)

[3] ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم - ص ۵۱

الحمد للہ الذی صیر الفقہاء انجماً للاھتداء و نحمد ربنا علی ما اسبغ علینا من العطاء الجزیل[1]

مآخذ اور علامات

نیز مقدمۂ کتاب سے اخذ کرکے فہرست مخطوطات میں فتاویٰ کے مآخذ سے متعلق ۷ کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے بھی فتاویٰ کے مآخذ کا ذکر کیا ہے اور کسی کتاب کے حوالہ کے لیے مصنف نے جو علامت مقرر کی ہے اس کی بھی وضاحت کی ہے۔ لکھا ہے:

جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی والذخیرۃ والخانیۃ والظھیریۃ وجعل المیم علامۃ للمحیط وذکر اسم الباقی وقدم بابا فی ذکر العلم ثم رتب علی ابواب الھدایۃ[2]

یعنی مصنفِ فتاویٰ نے اس میں المحیط البرہانی، ذخیرہ، خانیہ اور ظہیریہ کے مسائل جمع کیے ہیں۔ المحیط کے لیے میم کی علامت مقرر کی ہے اور باقی کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ شروع میں ایک باب علم کے بیان کے بارے میں تحریر کیا ہے اور کتاب ابوابِ ہدایہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کی ہے۔

کتاب کا نام

اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ بھی ہے، زاد السفر بھی ہے اور زاد المسافر بھی۔۔۔! ایک جگہ حاجی خلیفہ نے "زاد المسافر فی الفروع" بھی لکھا ہے

تاتارخانیہ فی الفتاویٰ للامام الفقیہ عالم بن علاء الحنفی وھو کتاب عظیم فی مجلدات[3]۔

یعنی فتاویٰ کے سلسلے میں ایک کتاب تاتارخانیہ ہے جو امام وفقیہ عالم بن علا حنفی کی تصنیف ہے اور یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے:

وذکر انہ اشار الی جمعہ الخان الاعظم تاتارخان ولم یسمہ ولذلک اشتھر بہ وقیل انہ سماہ زاد المسافر[4]

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹، ص ۱۵

[2] کشف الظنون ج ۱ کالم ۲۶۸

[3] ایضاً

[4] ایضاً

یعنی کہا جاتا ہے کہ یہ خانِ اعظم تاتارخاں کے ایما واشارہ سے معرضِ ترتیب میں لائی گئی۔ یہ کتاب چونکہ کسی نام سے موسوم نہیں کی گئی، لہذا تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہوگئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصنفِ کتاب نے اس کو زاد المسافر کے نام سے موسوم کیا تھا۔

حاجی خلیفہ نے زاد المسافر کے ذیل میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مرقوم ہے۔

زاد المسافر فی الفروع — وھو المعروف بالفتاویٰ التاتارخانیہ، لعالم بن علاء الحنفی المتوفی سنۃ ۲۸۶ ست وثمانین ومائتین انتخبھا ابراھیم بن محمد الحلبی اولہ الحمد للہ رب العلمین[1]

یعنی زاد المسافر فقہ کے موضوع پر مشتمل ہے اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے معروف ہے۔ عالم بن علا حنفی کی تالیف ہے جو ۲۸۶ھ میں فوت ہوئے[2]۔ ابراہیم بن محمد حلبی نے اس کی تلخیص کی جس کا آغاز الحمد للہ رب العالمین کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کتاب کا اصل نام "فتاویٰ تاتارخانیہ" نہیں تھا بلکہ مصنف نے اس کا نام "زاد المسافر" رکھا تھا پھر مصنف اور تاتارخان کے درمیان علمی سطح کے تعلقات پیدا ہوگئے جو آہستہ آہستہ دوستانہ تعلقات میں بدل گئے، ان تعلقات کی بنا پر مصنف نے مقدمۂ کتاب میں بھی تاتارخاں کا ذکر کیا اور کتاب بھی اس کے نام سے منسوب کر دی۔

مصنف

سوال یہ ہے کتاب کا اصل مصنف کون ہے اور اس کا علمی پایہ کیسا ہے؟ مصنف کا نام مولانا عالم بن علا اندرپتی ہے اور ان کا دائرہ علم وفضل بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں نزہتہ الخواطر میں گلزار ابرار کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے۔

شیخ، امام، عالم کبیر فرید الدین عالم بن علا حنفی اندرپتی فقہ، اصول اور عربی ادبیات کے ماہر و باکمال

---

[1] کشف الظنون ج ۲ کالم ۹۴۷

[2] عالم بن علا کا سنِ وفات ۲۸۶ھ غلط درج ہوگیا ہے صحیح بات یہ ہے کہ ان کا سنِ وفات ۷۸۶ھ ہے مخطوطہ چونکہ نقل در نقل ہوتا رہا اس لیے ممکن ہے صاحبِ کشف الظنون کی نظر میں جو نسخہ آیا اس میں یہی سنِ وفات مرقوم ہو یا مصنف موصوف کو لفظی تسامح ہوگیا ہو۔

علما میں سے تھے۔ انھوں نے ۷۷۷ھ میں زاد السفر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو امیر تاتارخاں کے نام پر فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے موسوم کی۔ (بادشاہ ہند) فیروز شاہ تغلق چاہتا تھا کہ یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کی جائے لیکن چونکہ مصنفِ کتاب مولانا عالم بن علا اور تاتارخاں کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے لہٰذا مصنف نے بادشاہ کی یہ درخواست منظور نہ کی۔[1]

نزہۃ الخواطر میں مصنفِ فتاویٰ مولانا عالم بن علا کے سالِ وفات کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے اور لکھا ہے:

وانت تعلم ان ماذکرنا من سنۃ وفاتہ لعلہ التبس علیہ عدد السبع بالاثنین لانہما متقاربان فی الشکل فالمظنون انہ توفی سنۃ ست وثمانین وسبع مائۃ[2]

یعنی مصنف کے سالِ وفات کے بارے میں (حاجی خلیفہ کو) سبع (سات) اور اثنین (دو) کے عدد میں التباس پیدا ہو گیا ہے۔ اسلئے کہ یہ دونوں عدد شکل وصورت میں باہم ملتے جلتے سے ہیں۔ ورنہ صحیح اب یہ ہے کہ ان کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی۔

امیر تاتارخاں

اب سوال یہ ہے کہ امیر تاتارخاں کون تھا۔؟ یہ فیروز شاہ تغلق کے دربار میں کس طرح پہنچا اور اس کا علمی دنیا میں کیا مقام ہے؟ اس کے بارے تاریخ فیروز شاہی میں سراج عفیف نے "خانِ اعظم تاتارخاں" کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے۔

"نقل ہے کہ خانِ اعظم خدا کی درگاہ میں بندۂ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ صاحبِ سیف وقلم تھا۔ واضح ہو کہ یہ امیر بہ اعتبارِ نسل ترک تھا۔

معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں خراسان کے ایک صاحبِ جاہ وحشم فرماں روا نے ملتان اور دیپال پور پر حملہ کر کے اس نواح کو تاخت وتاراج کیا۔ یہ (حملہ آور) بادشاہ اپنی ایک زوجہ پر جو بے حد صاحبِ حسن وجمال تھی اس درجہ شیدا تھا کہ اس کو کبھی ... اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تھا۔ اس مہم میں یہ زوجہ بادشاہ کے ہمراہ تھی اور حاملہ تھی۔ ملتان ودیپال پور میں قدم رکھتے ہی اس بیگم کے بطن سے

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۲ صفحہ ۶۷ [2] ایضاً ص ۶۸

بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس شب سلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شب خون مارا اور قتلِ عام شروع کر دیا۔ خراسانی لشکر نے شکست کھائی اور ہر شخص نے راہِ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گہوارہ میں چھوڑ دیا۔

سلطان تغلق کا لشکر مالِ غنیمت کو ہر جانب تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر اس گہوارہ پر پڑی۔ گہوارہ مع بچے کے بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔ سلطان تغلق نے اس نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا۔ بادشاہ نے اس خوش نصیب بچے کی بجائے فرزند کے پرورش شروع کی۔

سلطان تغلق نے اس فرزند کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا جو اس عہد میں خورد سال تھا۔ یہ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں جوان ہو کر مشہورِ زمانہ ہوا۔ یہ لڑکا دلاوری و زور آزمائی اور شجاعت و بہادری میں یکتائے زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں لشکر کشی و فتوحاتِ ملکی میں نادرِ روزگار خیال کیا جانے لگا۔ اس شخص نے اپنے زورِ بازو سے بہترین ممالک فتح کیے۔

معتبر روایت ہے کہ ایک وقت سلطان محمد، تاتار ملک سے آزردہ ہوا اور اس نے اِس امیر کو بُرے الفاظ سے یاد کیا اور تاتار ملک کو اپنے سے جدا کر کے دور روانہ کر دیا۔ تاتار ملک نے چند اشعار نظم کر کے بادشاہ کے حضور روانہ کیے۔ سلطان محمد نے یہ اشعار دیکھ کر بے حد تعریف کی اور تاتار ملک کو اپنے حضور میں طلب کر کے اس پر انتہائی نوازش فرمائی۔

فیروز شاہی عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا خطاب عطا ہوا اور چترِ قطیفہ کے عطیہ سے سرفراز فرمایا گیا۔ اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمائے زریں کے زریں طاس لگایا گیا جو محض سلاطین کے لیے مخصوص ہے۔

فیروز شاہ صحنِ گلبن کے محل میں دربار کرتا اور بادشاہ کے دائیں جانب جو وزرا کے لیے مخصوص ہے، تاتار خاں کو جگہ عطا ہوئی اور بادشاہ کے بائیں جانب خان جہان مقبول کی جگہ مقرر ہوئی۔ اگرچہ خان جہان مقبول وزیر تھا لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتار خاں ہی کو جگہ عنایت ہوئی تھی۔ تاتار خاں کی رحلت کے بعد یہ جگہ خاں جہان مقبول کو عطا ہوئی۔

فیروز شاہ کو تاتار خاں پر کلی اعتماد تھا اور بادشاہ امورِ ملکی میں ہمیشہ تاتار خاں سے مشورہ لیا کرتا تھا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہماتِ ملکی کو فیصل کرتا اور ان کی بابت احکام جاری کرتا تھا۔

خان مذکور بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور اس کی فطرت بے حد عمدہ و سلیم واقع ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امیر کو بے شمار صفات سے آراستہ کیا تھا۔

تاتارخاں نے توفیقِ الہی سے ملک حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد ہندوستان واپس آیا۔

اس امیر کی صحبت میں ہمیشہ علما و فضلا کا مجمع رہتا اور تاتارخاں اس مقدس گروہ کی عزت کرتا تھا۔

تاتارخانی جو بہترین و مشہورِ زمانہ تفسیر ہے۔ اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔

معتبر رواۃ کا بیان ہے کہ تاتارخاں نے ارادہ کیا کہ ایک مفصل تفسیر ترتیب دے۔ اس امیر نے تمام تفاسیر جمع کیں اور علما کی ایک جماعت کو جمع کر کے تمام ائمہ تفاسیر کے اختلافات نقل کر کے ہر ایک آیت کے متعلق تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔ تاتارخاں نے اس تفسیر کے جمع کرنے میں دل و جان سے کوشش کی اور ہر اختلاف کا حوالہ دے کر صاحب تفسیر کے نام کی تصریح کر دی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام تفاسیر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہیں۔ یہ تفسیر مرتب ہوئی اور تاتارخاں نے اس کو تفسیر تاتارخانی کے نام سے موسوم کیا۔

اسی طرح خانِ اعظم نے ایک مجموعۂ فتاویٰ بھی مرتب کیا جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شہر دہلی کی تمام کتبِ فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک نسخہ ترتیب دیا جس میں ہر مسئلہ و ہر کلمہ میں مفتیان شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحبِ فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔

تاتارخاں علمِ شریعت میں مرتبہ عالی رکھتا تھا اور شریعت کے اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علمِ حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات و معارف حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔

تاتارخاں نے شوقِ طلب میں نردبانِ عشق میں قدم رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ابوابِ عشق اس کے قلب پر وا کر دیے۔

مختصر یہ کہ خانِ اعظم، خانانِ معظم، عالمِ دین، حاجی و نمازی تاتارخاں کو احکامِ شریعت کا بے حد لحاظ تھا۔ یہ امیر قوانینِ شریعت سے سرمو تجاوز نہ کرتا تھا اور سفر و حضر ہر حالت میں شریعت پر کاربند رہتا تھا۔ خانِ اعظم لشکر کشی کے لیے روانہ ہوتا تو کنیزانِ حرم کے ہمراہ لے جانے میں دیگر امرا کی تقلید نہ کرتا۔ دیگر ملوک و خانان کا دستور تھا کہ اپنی کنیزوں کو اپنے برابر رکھتے تھے جو سفر میں ان کے ہم عنان چلتی تھیں لیکن تاتارخاں نے اپنے حرم کو کبھی گھوڑے پر سوار نہیں کیا بلکہ ایک گاڑی تیار کرائی اور اسی میں کنیزوں کو سوار کیا۔ اس گاڑی کو ہندی میں بھر کہ یا بھر کینہ کہتے ہیں۔ تاتارخاں نے ستر کے خیال سے ان گاڑیوں کو تخت پوش

کردیا تھا اور ان کو حجرہ کے مانند بنا کر مقفل کر دیا تھا تاکہ نامحرم کی نظر اُن پر نہ پڑے۔ کس درجہ احتیاط تھی جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

غرض اس امیر کے تمام افعال پسندیدہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبی سے آراستہ فرمایا تھا۔

تاتار خاں نے جلوسِ فیروز شاہی کے چند سال بعد وفات پائی۔[۱۵]

نزہۃ الخواطر میں مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے بھی تاتار خاں کا ذکر کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"امیر کبیر خانِ اعظم تاتار خاں دہلوی ان معروف لوگوں میں سے تھا جو فضل وصلاح اور ریاست وسیاست میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ابھی یہ ایک دن کا بچہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو ایک جنگ میں گرا ہوا پایا اور اس کو اٹھا لیا۔ سلطان نے اس کی امارت وسیادت کی گود میں پرورش کی اور اسے اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل لیا۔ پھر جب محمد شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے اس کو اپنا مقرب بنا لیا اور اسے مناصبِ جلیلہ پر فائز کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ارکانِ سلطنت میں سے ایک اہم رکن گردانا گیا۔ فاضل وعادل، شجاع وبہادر، سخی، بہترین اخلاق کا مالک، شریعتِ مطہرہ کا سخت پابند اور ملوک وامرا کا شدید محاسبہ کرنے والا تھا۔ اللہ کے معاملے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا اور نہ کسی کی توقیر کرتا۔ ایک مرتبہ مے نوشی کے بارے میں اس نے فیروز شاہ کو ٹوک دیا تھا اور فیروز شاہ نے اس کو حصار فیروزہ کے مقام پر ایک جاگیر دے کر اپنے ہاں سے بالکل الگ کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ محمد شاہ تغلق اس سے ناراض ہو گیا تو اس نے محمد شاہ کو مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

دہ ندانم از کجا رنجیدۂ — بے سبب از دوستان ببریدۂ
بانگ نے خوش می زند جانانِ من — نالۂ بیچارگان نشنیدۂ
در تو یارے ہرگز ایں عادت نبود — از طریق خود مگر گردیدۂ
گو گناہے کردہ ام مارا ببخش — زانکہ تو چندین گنہ بخشیدۂ
از تتار خستہ باللہ العظیم — نیست جرمی بے سبب رنجیدۂ

محمد شاہ تغلق نے یہ اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا اور اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کر دیا اور

---

۱۵ تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ)۔ شائع کردہ نفیس اکیڈیمی کراچی۔ صفحہ ۲۶۳ تا ۲۶۷

اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی، مگر وہ اس کے باوجود حرمین شریفین چلا گیا اور حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔

اس نے تفسیر قرآن کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام تفسیر تاتارخانی رکھا اور اس کے حکم سے عالم بن علا دہلوی نے فتاویٰ تاتارخانیہ تصنیف کیا۔[۱]"

فتاویٰ تاتارخانیہ کے بارے میں ایک سوال سطحِ ذہن پر یہ ابھرتا ہے کہ کیا فی الواقع اس کی تکمیل کے بعد فیروز شاہ تغلق نے اس کے مصنف مولانا عالم بن علا اندرپتی سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ یہ فتاویٰ تاتارخاں کے نام سے منسوب نہ کیا جائے بلکہ خود اس کے یعنی فیروز شاہ تغلق کے نام منسوب کیا جائے؟ اور پھر مصنف نے اس کو فیروز شاہ تغلق کے نام منسوب کرنے سے انکار کر دیا اور تاتارخاں کے نام منسوب کرنے پر اصرار کیا۔؟

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ملوک و سلاطین کی خواہش سے انکار کرنا بہت مشکل کام تھا۔ اس درجہ صاحبِ عظمت و جبروت بادشاہ کی بات نہ ماننا اور اس کے مقابلے میں ایک ماتحت وزیر کی دوستی کو ترجیح دینا دورِ ملکیت میں بظاہر ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے اور پھر بادشاہ بھی وہ جو خود بھی ذی علم ہو اور علما سے انتہائی تعلقِ خاطر بھی رکھتا ہو۔ لیکن اگر یہ بات صحیح ہے تو کہنا چاہیے کہ مولانا عالم بن علا بہت ہی دل گردے کے مالک تھے اور انھوں نے اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر علیٰ وجہ البصیرت بادشاہ کے علم پر ایک وزیر کے علم و فضل اور دوستی کو ترجیح دی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ علمائے حق کا ہمیشہ یہی کردار رہا ہے۔ وہ وہی فیصلہ کرتے ہیں جو ان کے علم کی رُو سے صحیح اور ان کے قلب و ضمیر کے لیے باعثِ اطمینان ہو۔

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ تاتارخانیہ چونکہ ہمارے سامنے نہیں ہے اور ہماری دسترس سے باہر ہے، اس لیے افسوس ہے ہم اس کے مضامین و مندرجات کے اقتباسات اپنے قابلِ احترام قارئین کے مطالعہ میں نہیں لا سکتے۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۱۸، ۱۹